



☆ سید ابوالخیر کشفی ☆

”انہ لقول فصل“ تحقیق یہ قرآن خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ سچی بات ہے حق اور باطل کو جدا کرنے والا ہے، جھوٹے لوگوں کا جھوٹ اور سچے لوگوں کا سچ قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ کیا ہی کوئی اپنے آپ کو بڑا کھلاوے اور لوگ اس کو بڑا جانیں، کامل جانیں وہ اپنے آپ کو صاحب کمال جانے اگر قرآن کی ہدایتوں کے اثر اس میں نہیں، ایمان کی سمجھ، مسلمانوں کے عمل، مسلمانوں کی خصلتیں شرم و حیاء، رحم و مروت، کرم سخاوت، عدل و انصاف اس میں نہیں، اچھی خوئیں نہیں رکھتا، صبر و شکر، خوف و رجا، شوق و ذوق محبت، ذکر فکر، اس میں معلوم نہیں ہوتا وہ جھوٹا ہے، ناقص ہے، آخرت سے محروم ہے اور جس کسی میں ایمان کی سمجھ، مسلمانوں کے کام، ظاہر کی باطن کی اچھی خصلتیں، اچھے حال قرآن کے موافق ہیں وہی سچا ہے، کامل ہے، اس جہاں میں بڑی دولتوں کو پہنچنے والا ہے۔ اچھی بری راہ کے بھلے برے آدمی کے پہنچانے کی قرآن ہی کوئی ہے۔ اس کلام سے سب حقیقتیں معلوم ہوتی ہیں اور جو کچھ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جس کام کو فرمایا ہے، جو کچھ خبر دی ہے لول کی، اثر کی دنیا کی آخرت کی، قیامت کو سب کسی کا زندہ ہونا، حساب و کتاب،

دوزخ و بہشت، برے کا برا، بھلے کا بھلا، جو جو کچھ کہا ہے وہ سب کلام درست ہے لکھی ہوئی بات ہے یقینی ہے کچھ شک شبہ کا لگاؤ نہیں۔ جو فرمایا وہ بات ویسی ہے۔ تفاوت نہیں۔ جس کام کو اچھا کہا ہے وہی کام اچھا ہے اور جس کام کو برا کہا ہے وہی کام برا ہے۔

یہ عبارت جو میں نے ابھی آپ کی خدمت میں پیش کی، حضرت شاہ مراد اللہ انصاری سہلی کی تفسیر مرادیہ سے لی گئی ہے، اور سورہ طارق کی ایک آیت انہ لقول فصل کی تفسیر کے سلسلہ کلام سے اخذ کی گئی ہے۔ قرآن حکیم کے آخری پارے کی یہ تفسیر ۲۴ محرم ۱۱۸۵ھ (مطابق ۱۷۷۱ء) کو مکمل ہوئی۔ حضرت شاہ صاحب نے خاتمہ الکتب میں لکھا ہے:

”حمد اور شکر کا سجدہ لائق ہے، سزا وار ہے پاک پروردگار کے تئیں جس خداوند نے اپنے فضل و کرم سے اور حضرت نبی ﷺ کے طفیل سے عم پارے کی تفسیر ہندی زبان میں تمام کروائی۔ اس عاصی گنہگار مراد اللہ انصاری سہلی قادری نقش ہندی حنفی کو یہ خدمت فرما کر، توفیق بخش کر اس کے دل میں اپنے پاک کلام کا بیان بخشا، زبان کو ہاتھوں کو قوت بخش، قلم کو کاغذوں کے اوپر جاری کروایا۔ یہ خیر کا کام پورا کر دیا۔ پھر اس تفسیر کا نام ”خدا کی نعمت“ مقرر کروایا۔ یہ تفسیر چوبیس تاریخ محرم مینے کی جمعہ کے دن تمام ہو چکی۔ حضرت پیغمبر ﷺ کی ہجرت کے گیارہ سو برس کے اوپر چوراسی برس گزر چکے تھے، پچاسی شروع ہو گیا تھا“

تفسیر مرادیہ (خدا کی نعمت) ”باغ و بہار“ سے کم و بیش تیس سال پہلے لکھی گئی۔ ”میر امن کی باغ و بہار“ ۱۸۰۱ء میں سامنے آئی اور اسے جدید اردو نثر کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ تفسیر مرادیہ ہمارے اونی مورخوں کے سامنے نہیں تھی، اور حال میں جو اونی تاریخیں لکھی گئی ہیں ان کے مداد اور تقسیم ادوار میں پہلی تاریخوں کی تقلید ہی ملتی ہے۔ ایک اور سبب یہ ہے کہ ہمارے بیشتر اونی نقاد دینی کتابوں کو انجمن سے باہر ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر ان صاحبوں سے کہا جائے کہ کیا آپ موضح القرآن، خطبات احمدیہ، الفاروق، سیرۃ النبی اور ترجمان القرآن کو اردو نثر کے مرحلے

اور اہم نشانات قرار نہیں دیتے تو خاموش رہتے ہیں مگر اپنے طرز عمل کو بدلنا نہیں چاہتے۔

”تفسیر مرادیہ“ قرآن حکیم کے آخری پارے کی تفسیر ہے۔ حضرت شاہ مراد اللہ نے سورۃ البقرۃ کی تفسیر بھی شروع کر دی تھی۔ پنجاب یونیورسٹی کے شیرانی کلکشن میں سورۃ البقرۃ کی پہلی بیس آیات کی تفسیر موجود ہے، لیکن پھر روایات کے مطابق حضرت شاہ صاحب نے اپنے مرشد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے اس سلسلہ کو ختم کر دیا۔

صاحب مقامات مظہری کے مطابق :

”ایشاں (شاہ مراد اللہ) ارادہ کردند کہ تفسیر کلام اللہ بزبان ہندی۔ تصنیف نمایند و حضرت (میرزا مظہر جانِ جاناں) ایشاں در، منع کردند کہ اشاعت انوار طریقت موجب حصول اخلاص و مرتبہ احسان می شود۔ اوقات مصروف بہ ہمیں شغل باید داشت و بجز ذکر و مراقبہ بہ ہیچ امر نباید پرداخت“

حضرت میرزا جانِ جاناں فارسی اور اردو کے عظیم اور عمد ساز شاعر تھے، مگر اپنے خلیفہ کو تحریر سے منع فرمایا اور وہ بھی تحریر تفسیر سے، جو خود اشاعت و تبلیغ کا ایک وسیلہ تھی۔ یہ بات ہمیں گہرے فکر کی دعوت دیتی تھی۔

اس کے اسباب پر غور کرتے ہوئے پہلی بات ذہن میں یہ آتی ہے کہ مرشد اپنے اس مرید کی صلاحیتوں کا بھر علم رکھتے ہیں۔ میرزا صاحب نے شاہ مراد اللہ صاحب کو تبلیغ کا کام کرنے تکالہ بھیجا۔ انہوں نے جن لوگوں کی تربیت فرمائی ان میں سے محمد غوث، محمد دانش اور محمد درویش کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔ حضرت میرزا جانِ جاناں ان صوفیوں میں سے تھے جو خانقاہوں میں بیٹھ کر بھی رسم شبیری ادا کرنے کا ہنر رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے دور میں مسلمانوں کی تنظیم، مرہٹوں اور سکھوں کے مظالم کے آگے ہند باندھنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ مسلمانوں کے اشتداد سے آزرده خاطر رہتے۔

حضرت جان جاناں کے عہد میں قرآن حکیم کو بھی مسلمانوں کے مختلف گروہوں نے معاذ اللہ اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ کتاب عظیم کا مطالعہ انسان سازی کے لیے کرنے کی روایت کمزور ہو گئی تھی۔ اللہ کی کتاب کو اپنے عقائد کے لیے استدلال کا وسیلہ بنایا جاتا، اس کی تاویل گروہی نقطہ نظر سے کی جاتی یا قرآن کو فلسفہ و فکر کی کتاب سمجھا جاتا اور عمل سے ہم آہنگ نہ کیا جاتا۔ آج بھی یہ صورت حال ہمارے ہاں موجود ہے۔ ہم اپنے مفروضوں سے نکتہ آفرینی، خن خن اور جدت فکر کا مطالبہ کرتے ہیں اور اب مطالبہ کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگی کی خوبصورت اصطلاح کا جامہ عطا کرتے ہیں۔

شاہ مراد اللہ نے یہ اردو تفسیر اسی نیت سے لکھی کہ عربی سے ہوا واقف اور فارسی میں زیادہ استعداد نہ رکھنے والے مطالب قرآن سے آشنا ہو کر اپنی زندگی کی تعمیر قرآنی خطوط پر کر سکیں۔ خاتمہ الکتاب میں لکھتے ہیں:

”اللہ کے فضل سے، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے طفیل سے یہ ہمہ عاجز گناہ گار امید وار ہے جو اس تفسیر کے لکھنے میں اور اس کے پڑھنے پڑھانے میں یہ ہمہ اور جو کوئی ہوئے پڑھے پڑھاوے ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں، قبر میں، آخرت میں اس کی برکتوں سے محروم نہ ہووے۔ لکھنے کا، پڑھنے کا، پڑھانے کا، سمجھانے کا، سیکھنے کا سکھانے کا، عمل کرنے کا، اور کوئی عمل بنانے کا ثواب پاتا رہے۔“

پروفیسر ڈاکٹر ایوب قادری مرحوم نے اردو نثر کے ارتقا میں علماء کا حصہ میں شاہ صاحب کی ایک اور تحریر، ڈاکٹر نجم الاسلام کے مقالہ (مطبوعہ نقوش اپریل تا جون ۱۹۶۶ء) کے حوالے سے پیش کی ہے جس میں آپ نے کم و بیش یہی فرمایا ہے کہ اس تفسیر کے لکھنے کا مقصد یہی ہے کہ ”دین کی عام باتیں ان کو اچھی طرح سے معلوم ہو جائیں، یاد رہیں، کام آویں۔“

تفسیر مراد یہ میں ہر سورہ کے ترجمہ اور تشریح سے پہلے اس کے بارے میں تمہیدی نکات ہیں۔ یہ تعارف کہیں مختصر ہے اور کہیں طویل، بعض سورتوں کے سلسلہ میں تاریخی پس منظر اور شان نزول بھی تحریر کی گئی ہے۔ اس تعارف میں سورہ کے مکی، مدنی

ہونے، کلمات اور حروف کی تعداد ملتی ہے اور موضوع کا ذکر۔ مثلاً سورۃ الشقاق کا تعارف۔  
 ”کئی ہے، پچیس آیتیں ہیں، ایک سو آٹھ کلمہ، چار سو اڑتالیس حرف ہیں۔  
 کافر پوچھتے تھے قیامت کس طرح ہووے گی، کب ہووے گی، قیامت کے  
 ہونے میں کیا کچھ ہووے گا۔ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے“

بعض سورتوں کا تعارف خاصا طویل ہے۔ مثلاً سورۃ قدر کا پس منظر اور تعارف  
 ڈیڑھ صفحات سے زیادہ کا ہے۔ شاہ صاحب نے اسرائیلیات کو اس تفسیر میں اہمیت نہیں دی  
 ہے، لیکن سورہ قدر کے تعارف میں شمعون یا میمون کا واقعہ درج کیا ہے اور اسے عمد  
 رسالت سے جوڑ دیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل نے یہ واقعہ نبی  
 کریم ﷺ کو سنایا اور آپ نے صحابہ کرامؓ کو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ”سورت بھیجی۔“

## سورہ قدر

کئی ہے اس میں پانچ آیتیں تیس کلمے ایک سو پندرہ حروف ہیں۔ تفسیروں میں لکھا  
 ہے کہ سبب نازل ہونے کا اس سورت کے یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی قوم میں ایک شخص  
 تھا شمعون ان کا نام تھا بھنے کہتے ہیں میمون نام تھا۔ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات کو  
 نماز پڑھتا تھا بعدگی میں کھڑا رہتا تھا اور کافروں کے ساتھ جھلا کرتا لڑتا، کافر اس کے ہاتھ  
 سے تنگ آئے تھے ایک بد ان کافروں نے مصلحت کر کر شمعون کی بی بی کو بلایا اور اسے کہا  
 تیرا خاوند تجھ سے کچھ کام نہیں رکھتا، دن کو روزہ رکھتا ہے رات کو عبادت کرتا ہے تجھ کو  
 کیا فائدہ ہے۔ تو ایک حیلہ کر کر اس کو بند کر ہم اس کو لے کر تیرے ساتھ ایک گھر میں  
 بند کر دیویں گے ہمیشہ تو آرام سے رہیں گی۔ عورت تو ناقص العقل ہوتی ہے اس نے یہ بات قبول  
 کی لوگوں نے ایک موٹی رسی بالوں کی مٹ کر اس بی بی کے حوالے کی کہ اس رسی سے اسکو  
 باندھیں۔ ایک رات شمعون کو کچھ نیند آئی تھی بی بی نے ان کے ہاتھ باندھ لیے شمعون  
 جاگ اٹھے کہا کیا کرتی ہے کیوں مجھ کو باندھتی ہے اس نے کہا میں تیری قوت زور آزمائی  
 ہوں شمعون نے اس رسی کو توڑ ڈالا اور کہا میرا زور اس سے بھی زیادہ ہے۔ پھر بی بی نے  
 کافروں کو خبر کر دی، حقیقت کئی، پھر کافروں نے لوہے کی زنجیر لا کر دی، دوسری رات

اس نے خاوند کو زنجیر سے باندھا، اس کو بھی اس نے توڑ ڈالا اور کہا میرا زور اس سے بھی زیادہ ہے۔ کافروں کو ملی ملی نے خبر دی انہوں نے کہا ہم عاجز ہوئے لوہے سے کوئی چیز سخت نہیں تو اسی سے پوچھ کہ تجھ کو کس چیز سے باندھیں جو تو توڑ نہ سکے۔ ملی ملی نے ان سے پوچھا شمعوں نے کہا جس چیز سے مجھے کوئی باندھے توڑ ڈالوں سوائے میرے سر کے بال کے جو کوئی میرے بالوں سے مجھ کو باندھے تو وہ توڑ نہ سکوں۔ اس ملی ملی نے کسی طرح اس کے سر کے بال لے کر رسی بنا کر اس کو باندھا، انہوں نے کہا کھول دے جو رو نے کہا میں نہیں کھولتی تو توڑ ڈال جس طرح اور چیزوں کو توڑتا تھا، انہوں نے کہا میں نے تجھ سے کہا ہے کہ میں اس کو توڑ نہیں سکتا۔ اس ملی ملی نے کافروں کو خبر دی انہوں نے آکر ان کو پکڑ لیا اور وہ قول و قرار جو اس احمق ملی ملی سے کیا تھا کچھ نہ کیا شمعوں کے ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ کر شہر کے دروازے کے آگے ڈال دیا کہ خراب ہو کر مر جاوے رات کو جب نماز پڑھنے کا وقت ہوا، شمعوں نے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں مناجات کی دعا مانگی کہا اے پروردگار تو جانتا ہے تیری راہ تیری دوستی میں ان کافروں نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے تو قادر ہے جو مجھ کو اچھا کر دیوے میری مدد کرے حق تعالیٰ نے شمعوں کی دعا قبول کی اسی وقت ہاتھ پاؤں سب کچھ ٹھیک ہو گئے اور جو کچھ اس کی قوت تھی زور تھا وہ بھی دیا بلکہ اس سے قوت اور زیادہ بخشی اٹھ کر کھڑا ہوا شہر کے دروازے کے پاس آیا لوہے کا دروازہ تھا، شہر کا بند تھا پکڑ کر اکھاڑ ڈالا اندر بیٹھ کر ہر گھر میں جا کر گھروں کے ستون پکڑ کر کھینچ لیتا تھا، چھتیں گھروں کی گر پڑتی تھیں سب کوئی چھتوں کے نیچے دب کر مر جاتے تھے اسی طرح اسی ایک رات میں سب کو ہلاک کیا ماہ ڈالا پھر حق تعالیٰ نے شمعوں کو ہزار مہینے کی اور عمر بخشی ہزار مہینے تک دن کو روزہ رکھتے کافروں سے جہاد کرتے رات کو نماز پڑھنے میں مشغول رہتے ایسے ایسے کام کرتے تھے اتنا ثواب پاتے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک ایک دن آکر یہ قصہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیان کیا۔ حضرت ﷺ نے سب یاروں اصحابوں کے رو برو فرمایا۔ یاروں نے سن کر اس کے ثواب پر حسرت کی اور تعجب کیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ہماری عمریں تھوڑی

ہیں ان تھوڑی عمروں میں ایسے عمل ہم کیونکر کر سکیں ایسے ثواب کس طرح سے پادیں ایسی بڑی دولت کو کیونکر پہنچیں اس بات کے لوپر حق تعالیٰ نے یہ سورت بھیجی اور فرمایا تم کو ایک رات ایسی دی ہے جو اس رات کو جاگو بندگی کرو تو ثواب میں ہزار مہینے سے زیادہ ہے بہتر ہی فرماتا ہے اللہ تعالیٰ۔

اردو کے دینی اور تفسیری ادب میں تفسیر مراد یہ کی اہمیت کی اولین وجہ اس کی اولیت ہے۔ اس کی اہمیت کا دوسرا سبب شاہ مراد اللہ صاحب کا مقصد تبلیغی اور عام آدمی میں قرآن حکیم کی تفہیم کا ذوق پیدا کرنا ہے۔ انہوں نے اپنے پڑھنے والوں کو لغوی اور فلسفیانہ بحثوں میں نہیں الجھایا ہے، بلکہ وہ تعلیمات قرآنی کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ آدمی میں ذوق عمل پیدا ہو۔ ابتدائی دور کے تفسیری ادب میں ہمیں نسبتاً یہ پہلو زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔

اولیٰ طور پر یہ کتب نہایت اہم ہے اور میں پورے یقین کے ساتھ اسے جدید اردو نثر کا نقطہ آغاز سمجھتا ہوں۔ اس میں سادگی کے بل وصف بڑی قوت ہے۔

شاہ صاحب کے اسلوب کے کئی پہلو اردو نثر کے ارتقاء کا مطالعہ کرنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ایوب قادری اور بعض دوسرے اصحاب نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس عہد کے کم و بیش ہر لکھنے والے کے اسلوب سے متعلق ہے مثلاً لولیاؤں، اصحابوں، کرلماتوں جیسی ”حج الجمع“ کا استعمال، مضاف مضاف الیہ کی ترتیب جو عہد سرسید تک مستعمل رہی۔ لیکن شاہ صاحب کے اسلوب کی انفرادی خصوصیات اور خوبیوں کا مطالعہ نہیں کیا گیا ہے۔

۱۔ اس تفسیر میں بہت سے مقامات پر شاہ صاحب اپنی اردو عبارت کو قرآنی آیت سے ہم آہنگ کر دیتے ہیں، مثلاً سورہ قدر کے تعارف کا آخری فقرہ ہے ”فرماتا ہے اللہ تعالیٰ“ اور اس کے بعد ہی ہمیں قرآنی الفاظ ملتے ہیں ”انّا انزلنہ“

۲۔ ”باغ و بہار“ کے اسلوب کا حسن جملوں اور فقروں کے ہم آہنگ امتزاج میں ہے۔ یہ اسلوب ہمیں ”میر امن“ سے پہلے حضرت شاہ مراد اللہ صاحب کی تفسیر میں نہایت حسن اور کمال کے ساتھ ملتا ہے۔

۳۔ شاہ صاحب نے فقروں سے تکرار کا کام بھی لیا ہے۔ اس سے قوت اور حسن کے ساتھ ساتھ کھنگو کا انداز پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ”والنہار اذا تجلی“ اور سوگند ہے دن کی جب ظاہر ہوتا ہے رات کی اندھیری کو دور کرتا ہے۔ یہ رات اور دن دو آیتیں ہیں، دو نشانیاں ہیں، دو دلیلیں ہیں۔

”اذا زلزلت الارض زلزالها“

جس وقت جنبش دی جائے گی، ہلائی جائے گی زمین

۴۔ جملہ کے اجزائے کلام کی ترتیب میں شاہ صاحب مفعوم کا احترام کرتے ہیں۔ ان کے ہاں قاعل یا اسم پیشتر صورتوں میں پہلے آتا ہے، مگر جو مثل ابھی پیش کی گئی اس میں زمین کی جنبش کو اٹھانے کے لیے اس کا ذکر پہلے لایا گیا اور زمین کا بعد میں۔ یوں اصل کے مفعوم اور قواعد کا اتباع بھی ہوگا اور زمین کی مفعولی حالت، معانی سے ہم آہنگ ہوگی۔

